© rasailojaraid.com

اسلام میں زکوٰۃ کا نظام

اور اسلامی اداروں کا اس میں حصہ

مولانا سید شہاب الدین ندوی (بنگلور)

کچھ عرصہ پہلے حکومت کرناٹک کی جانب سے ایک "زکوٰۃ بورڈ" کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا، تاکہ زکوٰۃ کا ایک اجتماعی نظام قائم کیا جاسکے۔ حکومت کے اس اعلان نے دینی حلقوں میں کافی کھلبلی اور شدید ناراضگی پیدا کردی تھی۔ مختلف لوگوں نے اس کی مخالفت میں خوب مضامین لکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک سیکولر حکومت کی جانب سے اس قسم کا اقدام اگرچہ غلط اور مسلمانوں کے دین میں مداخلت کے برابر تھا۔ لیکن اگر یہی اقدام ایک اسلامی حکومت یا کسی دینی تنظیم کی جانب سے ہوتا تو اس کا خیر مقدم کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اس قسم کا اقدام دین میں بجائے خود مطلوب و مقصود ہے۔ لہٰذا ہمارے دینی اداروں کو اس سلسلے میں ضرور غور کرنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زکوٰۃ کی صحیح حیثیت

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن اور عبادت کا ایک حصہ ہے۔ نماز جس طرح حقوق اللہ کی نمائندگی کرتی ہے، اسی طرح زکوٰۃ حقوق العباد کا مظہر ہے۔ اور اس کی صحیح دائیگی اسلامی نظام کی صحت اور اس کی فلاح کی ضامن بن سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے کمیونزم اور سوشلزم وغیرہ غلط افکار اور باطل نظامات کی مؤثر روک تھام میں بھی کافی مدد مل سکتی ہے۔ مگر موجودہ دور میں زکوٰۃ کا صحیح اور اجتماعی نظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ جس کی وجہ سے اصل مستحق اکثر و بیشتر اس "خدائی امداد" سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور اس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو پاتے جو غلط اور گمراہ کن نظاموں کے توڑ کے سلسلے میں واقعتاً مطلوب ہیں۔ اس وجہ سے زکوٰۃ کا نظام اجتماعیت کا طالب ہے تاکہ ہر ایک مستحق کو اس کا پورا حق مل جائے اور مسلم معاشرے میں ایسے رخنے پیدا نہ ہوں جس کی وجہ سے اشتراکیت اور دیگر گمراہ کن نظاموں کو اس کے اندر گھسنے کا موقع مل جائے۔ مگر افسوس کہ بدنظمی کے باعث آج کل ایسے حاجت مند بظاہر "سفید پوش" نظر آتے ہیں، زکوٰۃ کے فوائد سے برابر محروم ہو رہے ہیں جب کہ دوسری طرف گداگروں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو اس قسم کی خرابیاں دور ہو سکتی ہیں اور تمام حقداروں کو ان کا حق مل سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا صحیح طریقہ: یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ آج جس طرح "فقراء" اور "مساکین" کے نام پر بعض لوگ چند بھکاریوں کو لائن میں کھڑا کر کے زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرتے ہیں وہ نہایت درجہ گھٹیا طریقہ بلکہ زکوٰۃ کی توہین ہے۔ اس سے صرف گداگروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ زکاۃ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مستحق لوگوں کو تلاش کرکے زکاۃ ان تک خود پہنچائی جائے۔ جو ان کی عزتِ نفس کا بھی باعث ہوگا۔ اس سلسلے میں افراط و تفریط یہ ہے کہ لوگ عموماً کسی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے شخص کو غریب اور کسی سفید پوش کو خوش حال سمجھ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غلط معیار ہے۔ کیونکہ حقیقت اس کے برعکس بھی ہوسکتی ہے۔ یعنی یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ بظاہر مفلوک الحال شخص اصلاً فقیر ہو۔ جس طرح کہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اچھے کپڑے پہنا ہوا شخص واقعتاً غنی ہی ہو۔

غرض زکاۃ کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ایسے غریب اور محتاج لوگوں کو تلاش کیا جائے جو کسی وجہ سے معاشی جدوجہد کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہوں۔ یا ایسے عیال دار لوگ جن کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ پریشان رہتے ہوں۔ اسی طرح بے روزگار افراد کو تلاش کرکے انہیں روزگار پر لگایا جائے۔ غریب مقروضوں کے قرضے ادا کرکے انہیں راحت پہنچائی جائے۔ تالیف قلب کے لیے نومسلموں کو نوازا جائے اور انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد دی جائے۔ جو اپنے معاشرے اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر اسلام کی گود میں پہنچ گئے ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے یا اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جدوجہد کرنے والوں کی مدد کی جائے۔

یہ زکاۃ کے چند مصارف ہیں، جن کا تذکرہ سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی ایک مد "فی سبیل اللہ" (اللہ کی راہ میں) بھی ہے۔ اس کے معنی اگرچہ عموماً جہاد کے لیے گئے ہیں، مگر جہاد کی نوعیت ہر دور میں مختلف ہوسکتی ہے۔ خود ایک حدیث کی رو سے کسی ظالم بادشاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ غرض اس معنیٰ میں آج جس طرح ہمارے عربی و اسلامی مدرسے آسکتے ہیں، اسی طرح اس میں وہ اسلامی تنظیمیں اور ملّی و اشاعتی ادارے بھی آسکتے ہیں جو اسلامی افکار و اقدار کی نشر و اشاعت اور باطل نظریات نیز گمراہ کن نظاموں کی بیخ کنی کر کے اسلامی نظام قایم کرنے کی راہ میں عملاً جد و جہد کر رہے ہوں۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اجتماعی معاملات ہیں، جن کی حکمتوں اور مصلحتوں کو انفرادی طور پر ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ اور پھر انفرادی صوابدید سے یہ تمام مقاصد بروئے کار نہیں آسکتے۔ لہٰذا ہماری اجتماعی زندگی کا تقاضا ہے کہ ہمارے فریضۂ زکاۃ کی صحیح تنظیم عمل میں آئے، تاکہ افراط و تفریط کے بغیر ہر مستحق فرد اور ہر مستحق ادارے کو اس کا صحیح حق مل جائے۔ اسی وجہ سے زکاۃ ایک عبادت ہے۔ اگر یہ کام صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے تو پھر ہماری ملت کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ اور زکاۃ کی قیمتی رقم جو اندھا دھند خرچ کر کے ضائع کی جاتی ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہماری ملت کے دردمند اصحاب کو اس سلسلے میں صحیح اقدام کرنا چاہیئے، تاکہ اس کے ذریعہ مفید اور ہمہ گیر نتائج نکل سکیں۔

زکاۃ ایک مذہبی فریضہ: جیسا کہ عرض کیا جا چکا زکاۃ ایک مذہبی فریضہ (عبادت) اور اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے، جو افراد ملت کے معاش و معاد یا دنیا و آخرت کی بھلائی کی خاطر فرض کیا گیا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے زکاۃ کے ذریعہ ایک مسلمان کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کی تطہیر عمل میں آتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(دیکھئے سورۂ توبہ آیت ۱۰۳) کیونکہ زکاۃ کا نظام اسلامی برادری کی علامت ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱ کے ذریعہ اس مسئلے پر روشنی پڑتی ہے جس کے مطابق نماز اور زکاۃ ادا کرنے والوں کو مسلمانوں کا بھائی کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکاۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والے کو بالاجماع کافر قرار دیا گیا ہے۔ دیکھئے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب فقہ الزکاۃ، جلد اول صفحہ ۹۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آسائش دے رکھی ہے، ان کے ذریعہ وہ اپنے کمزور بندوں کی خبر گیری کرانا چاہتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ جہاں ایک طرف مالداروں کے دلوں سے مال کی محبت زائل ہو سکے تو دوسری طرف ناداروں کی دیکھ بھال کے ذریعہ ان کے دلوں میں ہمدردی اور انسانیت نوازی کے جذبات بھی پرورش پاتے رہیں۔ یہ دراصل حرص و بخل کو روکنے اور سخاوت و دلداری کو پروان چڑھانے کا ایک نسخۂ کیمیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ نہایت درجہ رحیم اور مہربان ہے، اس لئے وہ اپنے بندوں پر ربوبیت و رحمانیت کا مظاہرہ چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے دکھی بندے اس کے لطف و کرم سے محروم نہ رہیں۔ لہٰذا وہ اس مظاہرے کے لیے اپنے مالدار بندوں کو ذریعہ و وسیلہ بنانا چاہتا ہے۔ اس لیے مالداروں کو غریبوں اور مسکینوں کی دلداری میں کسی قسم کا بخل یا تنگ دلی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ مال بھی خدا ہی کا دیا ہوا ہے اور اس کو خدا ہی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرنا ہے۔

زکاۃ کی اہمیت اور فرضیت

زکاۃ کا اجتماعی نظام مطلوب ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ غرض اس منہج میں آج جس طرح ہمارے عربی و اسلامی مدرسے آسکتے ہیں، اسی طرح اس میں وہ اسلامی تنظیمیں اور ملی و اشاعتی ادارے بھی آسکتے ہیں جو اسلامی افکار و اقدار کی نشر و اشاعت اور باطل نظریات نیز گمراہ کن نظاموں کی بیخ کنی کر کے اسلامی نظام قائم کرنے کی راہ میں عملاً جد و جہد کر رہے ہوں۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اجتماعی معاملات ہیں، جن کی حکمتوں اور مصلحتوں کو انفرادی طور پر ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ اور پھر انفرادی صوابدید سے یہ تمام مقاصد بروئے کار نہیں آسکتے۔ لہٰذا ہماری اجتماعی زندگی کا تقاضا ہے کہ ہمارے فریضۂ زکاۃ کی صحیح تنظیم عمل میں آئے، تاکہ افراط و تفریط کے بغیر ہر مستحق فرد اور ہر مستحق ادارے کو اس کا صحیح حق مل جائے۔ اسی وجہ سے زکاۃ ایک عبادت ہے۔ اگر یہ کام صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے تو پھر ہماری ملت کی کایا پلٹ سکتی ہے اور زکاۃ کی قیمتی رقم جو اندھا دھند خرچ کر کے ضائع کی جاتی ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہماری ملت کے درد مند اصحاب کو اس سلسلے میں صحیح اقدام کرنا چاہیئے، تاکہ اس کے ذریعہ مفید اور ہمہ گیر نتائج نکل سکیں۔

زکاۃ ایک مذہبی فریضہ: جیسا کہ عرض کیا جا چکا زکاۃ ایک مذہبی فریضہ (عبادت) اور اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے، جو افراد ملت کے معاش و معاد یا دنیا و آخرت کی بھلائی کی خاطر فرض کیا گیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے زکاۃ کے ذریعہ ایک مسلمان کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کی تطہیر عمل میں آتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(دیکھئے سورۂ توبہ آیت ۱۰۳) کیونکہ زکاۃ کا نظام اسلامی برادری کی علامت ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱ کے ذریعہ اس مسئلے پر روشنی پڑتی ہے، جس کے مطابق نماز اور زکاۃ ادا کرنے والوں کو مسلمانوں کا بھائی کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکاۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والے کو بالاجماع کافر قرار دیا گیا ہے۔ دیکھئے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب فقہ الزکاۃ، جلد اول صفحہ ۹۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آسائش دے رکھی ہے، ان کے ذریعہ وہ اپنے کمزور بندوں کی خبر گیری کرانا چاہتا ہے: تاکہ اس کے ذریعہ جہاں ایک طرف مالداروں کے دلوں سے مال کی محبت زائل ہو سکے تو دوسری طرف ناداروں کی دیکھ بھال کے ذریعہ ان کے دلوں میں ہمدردی اور انسانیت نوازی کے جذبات بھی پرورش پاتے رہیں۔ یہ دراصل حرص و بخل کو روکنے اور سخاوت و دلداری کو پروان چڑھانے کا ایک نسخۂ کیمیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ نہایت درجہ رحیم اور مہربان ہے، اس لئے وہ اپنے بندوں پر ربوبیت و رحمانیت کا مظاہرہ چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے دکھی بندے اس کے لطف و کرم سے محروم نہ رہیں۔ لہٰذا وہ اس مظاہرے کے لیے اپنے مالدار بندوں کو ذریعہ و وسیلہ بنانا چاہتا ہے۔ اس لیے مالداروں کو غریبوں اور مسکینوں کی دلداری میں کسی قسم کا بخل یا تنگ دلی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ مال بھی خدا ہی کا دیا ہوا ہے اور اس کو خدا ہی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرنا ہے۔

زکاۃ کی اہمیت اور فرضیت

زکاۃ کا اجتماعی نظام مطلوب ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ ایک ساتھ آیا ہے اور انداز خطاب بھی اجتماعی نوعیت کا ہے مثلاً: "مسلمانو! نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو" (البقرہ: ۱۱۰) اس سے اس حقیقت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ زکوٰۃ نماز ہی کی طرح نہ صرف اسلام کا ایک اہم فریضہ اور رکن ہے بلکہ وہ نماز ہی کی طرح اجتماعی حیثیت سے بھی مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور میں زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جہاد کیا تھا۔ اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی رو رعایت سے انکار کرتے ہوئے نہایت سخت موقف اختیار کیا تھا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نماز اور زکوٰۃ کے اس باہمی ربط و تعلق اور ان کی جماعتی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"نماز جس طرح جماعت اور مسجد کے بغیر بھی انجام پا جاتی ہے، لیکن فرضیت کے بعض مقاصد سے دور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بیت المال کی مجتمع صورت کے علاوہ بھی ادا ہو جاتی ہے، مگر اس کی فرضیت کے بعض مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں جب بعض قبیلوں نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہ کریں گے، بلکہ بطور خود اس کو صرف کر دیں گے۔ تو شریعت محمدی کے شناسائے راز نے ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔ اور بزور ان کو بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے پر مجبور کیا، کہ اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سر رشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(سیرۃ النبی، ۵/۱۵۲)

نیز موصوف مزید تحریر کرتے ہیں:

"جب تک منتشر افراد ایک شیرازہ میں نہیں بندھ جاتے، حقیقت میں جماعت کا وجود نہیں ہوتا۔ لیکن جماعت کے وجود کے ساتھ ہی افراد کی طرح جماعت کو بھی ضروریات پیش آتی ہیں۔ جماعت کے مزدوروں، معذوروں اور مفلسوں کی مدد، جماعت اور اس کے اصول کی حفاظت کے لیے سرفروشانہ مجاہدہ کی صورت میں اس کے اخراجات کی کفالت، جماعت کی آمد و رفت اور سفر کے وسائل کی ترقی و تعمیر، جماعت کی خاطر جماعت کے مالی نقصان اٹھانے والوں اور مقروضوں کی امداد کرنا، جماعت کے ان کارکنوں کو معاوضہ دینا، جو جماعت کی مذہبی، علمی تعلیمی خدمات بجالائیں اور اس رقم کی فراہمی اور نظم و نسق کے فرائض انجام دیں، زکوٰۃ اسی نظام جماعت کا سرمایۂ دولت ہے"

(سیرۃ النبی، ج ۵ ص ۱۷۹)

اسی طرح موجودہ دور کے مشہور عرب عالم علامہ یوسف قرضاوی نے زکوٰۃ کے موضوع پر ایک مفصل اور معرکۃ الآراء کتاب تحریر کی ہے۔ اس میں موصوف نے زکوٰۃ کی اجتماعیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام ایک مکمل اور رہنما پیغام کا حامل ہے۔ وہ عقیدہ و نظام اور اخلاق و قانون کا مجموعہ ہے۔ وہ فرد کی آزادی اور اس کی تکریم کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی ترقی اور بھلائی کا بھی علمبردار ہے۔ اور اس چوکھٹے میں زکوٰۃ کا نظام انفرادی طور پر نہیں بلکہ حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہی کے لیے نہیں بلکہ اس سے مسلمانوں کے مصالح عامہ بھی مقصود ہیں، جن کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح اندازہ افراد نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کا صحیح اندازہ مسلمانوں کی جماعت کے معاملہ فہم لوگ اور اہلِ شوریٰ ہی کر سکتے ہیں، جیسے تالیف قلب، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور اشاعت اسلام کے لیے مبلغین کی تیاری وغیرہ امور کے لیے خرچ کرنا۔ (خلاصہ از فقہ الزکاۃ، ج ۲ ص ۷۵۶)

ان اقتباسات سے ظاہر ہوگیا کہ زکاۃ کی اجتماعی حیثیت سے کس قدر اہمیت ہے! مگر ہمارے موجودہ طرزِ عمل نے اس کو ایک ناکارہ اور فرسودہ چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ غرض اس بحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ افراد ملت اگر فرداً فرداً اپنی ذاتی صوابدید کے مطابق زکاۃ کی رقم صرف کرتے رہیں تو اس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو اسلام کی نظر میں مجموعی طور پر مطلوب ہیں۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ وہ افراد ملت سے زکاۃ وصول کرکے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ ملت کے اجتماعی امور اور جماعتی مفادات کو بھی پیش نظر رکھے۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں اسلامی معاشرہ مضبوط و مستحکم ہو سکتا ہے۔ زکاۃ کے اجتماعی نظام کے مطلوب و مقصود ہونے کے بارے میں قرآن مجید کی متعدد آیات رہنمائی کرتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے: "تم مسلمانوں کے مالوں میں سے زکاۃ لو۔" (توبہ: ۱۰۳) نیز زکاۃ کی وصولی کے لیے عاملین یعنی کارکنان مقرر کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے: "اور زکاۃ وصول کرنے والوں کا بھی اس میں حق ہے۔" (توبہ: ۶۰) ظاہر ہے کہ اس سے اجتماعی نظام کی تاکید نکلتی ہے۔

اس طرح مسلمانوں کے امام یا خلیفہ کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتماعی طور پر زکاۃ وصول کرکے ملت کی بہبودی پر خرچ کرے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ جہاں پر اسلامی حکومت نہ ہو وہاں پر کیا کیا جائے؟ تو اس کا حل یہ ہے کہ وہاں پر خود مسلمان اپنی تنظیمیں قائم کرکے زکاۃ کا اجتماعی نظام جاری کرنے کی کوشش کریں، تاکہ ہماری ملت آج جن مشکلات اور ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہے اس سے نجات کا راستہ نکالا جا سکے۔ اور ایسی تنظیمیں اپنے تنظیمی اخراجات کے لیے حسب ضرورت زکاۃ کی رقم خود بھی لے سکتی ہیں۔ اور یہ حق انہیں خود قرآن ہی عطا کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا یعنی زکاۃ وصول کرنے والوں کا بھی اس میں حق ہے۔ (توبہ: ۶۰)

اس طرح کتاب الٰہی میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ مگر یہ ہماری غفلت اور کوتاہی ہے کہ ملت کے ایک ضروری اور ناگزیر فریضے کی ادائیگی میں ہم محض چند اندیشوں کی وجہ سے دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔ اگر زکاۃ کی صحیح تنظیم قائم ہو جائے تو ہماری ملت کی کایا پلٹ سکتی ہے اور ہمارے عربی مدارس اور اسلامی اداروں کو بھی اُن کا پورا پورا حق مل سکتا ہے۔ لہٰذا اس راہ میں اگر چند مخلص اور باہمت لوگ آگے بڑھیں تو یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو انجام نہ پا سکتا ہو۔

مگر اس سلسلے میں ایک مشکل یہ ہے کہ ہمارے عربی مدرسوں میں باہم برادرانہ تعلقات کے بجائے آپسی رقابت زیادہ پائی جاتی ہے اور ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ زکاۃ کی زیادہ سے زیادہ رقم اس کو حاصل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ کسی اجتماعی نظام کے پروان نہ چڑھنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اگر اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو پھر ان کا حق انہیں گھر بیٹھے مل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا نظام تعلیم درست کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں شہر شہر اور گلی گلی دورے کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے بلکہ سچ پوچھئے تو اس کی وجہ سے ایک عظیم تعلیمی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

کیا اسلامی اداروں اور دینی علوم کی نشر و اشاعت کے لیے زکاۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے؟

یہ آج کا ایک اہم ترین سوال ہے۔ اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ زکاۃ کی رقم گداگروں اور پیشہ ور بھکاریوں کو تو دی جا سکتی ہے، مگر کسی اسلامی ادارے کے کارکن یا دینی و علمی خدمت کرنے والے کو نہیں دی جا سکتی۔ یہ ایک غلط تصور ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس ادارے یا مدرسے میں ایسے طلبہ نہ ہوں جن کے "کھانے پینے" کا انتظام نہ ہو تو وہاں بھی زکاۃ کی رقم نہ دینی چاہیئے۔ یہ بھی ایک غلط تصور ہے جو زکاۃ کی روح کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے زکاۃ کے سب سے زیادہ مستحق وہ علماء یا دینی خدمت گار ہیں جو یکسوئی کے ساتھ خدا کی راہ میں مصروف عمل ہونے کے باعث معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل ہی نہ رہ گئے ہوں، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس لیے وہ محتاج ہونے کی بنا پر اس رقم کے سب سے زیادہ حقدار ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بات عقلی اعتبار سے بھی بہت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے دینی خدمت گار زکاۃ کے مستحق نہ ہوں تو پھر بھلا اور کون ہوگا؟ اور وہ اپنی ضروریات زندگی کس طرح پوری کر سکیں گے؟ ظاہر ہے کہ جب "چندہ" ادھر ادھر کے لوگ زکاۃ کی ساری رقم سمیٹ کر لے جائیں تو پھر دینی خدمت گار بےچارے کہاں جائیں کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا؟

مصارفِ زکاۃ

زکاۃ کی رقم کن کن مصارف یعنی کن کن مدوں میں صرف کی جاسکتی ہے؟ تو سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ کے مطابق اس کے حسب ذیل آٹھ مد قرار دیئے گئے ہیں۔

۱۔ فقراء کے لیے۔ اور فقراء سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس تھوڑی سی غذا یا ضرورت سے کم اشیاء ہوں۔ یعنی جن کی آمدنی ان کی ضروریات کیلئے ناکافی ہو۔

۲۔ مساکین کے لیے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ یعنی بے کس اور بے سہارا لوگ۔

۳۔ عاملین زکاۃ کے لیے۔ یعنی وہ لوگ جو زکاۃ وصول کرنے والے ہوں۔ اس مد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ وصول کرنے والوں کا بھی مستقل حصہ زکاۃ کی رقم میں رکھ چھوڑا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا یہ شق زکاۃ کے اجتماعی نظام کی طالب ہے۔ ظاہر ہے کہ زکاۃ کی وصولی کے لیے مستقل کارکنوں کا قیام اجتماعی زندگی کا متقاضی ہے۔

۴۔ جن لوگوں کی دلجوئی مقصود ہو۔ یہ مد خاص کر نومسلموں سے متعلق ہے۔ اور یہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ موجودہ دور میں اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

۵۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے۔ موجودہ دور میں اس کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے اب یہ ایک "محفوظ مد" شمار کی جاسکتی ہے۔ یعنی جب کوئی ایسا دور آجائے جس میں پھر سے غلامی کا رواج ہوجائے۔ تو ایسے موقع پر انسداد غلامی کے لیے اس مد کو پھر سے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ قرضداروں کے لیے۔ یعنی وہ لوگ جو کسی گھاٹے یا خسارے کی وجہ سے قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں۔

۷۔ اللہ کی راہ میں۔ اور یہی شق اس وقت زیر بحث ہے اور اس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

۸۔ مسافروں کے لیے۔ یہ شق بھی آج کل تقریباً معطل ہو کر رہ گئی ہے۔ ملاحظہ ہو وہ آیت کریمہ جس میں ان تمام مدوں (مصارف) کا ذکر کیا گیا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ! زکاۃ محتاجوں، مفلسوں اور اس کی وصولی کرنے والوں کا حق ہے۔ اور جن کی دلجوئی کرنی ہے، غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے، قرض داروں کے لیے، اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

(توبہ: ۶۰)

ملت کی بہبودی کا وسیع منصوبہ: ——

غور کیجیے ان آٹھوں مدوں میں کتنی جامعیت ہے اور اسلام ملت کی بہبودی کے لیے کس قدر وسیع منصوبہ رکھتا ہے! مگر ہم نے اپنی ناواقفیت کی بنا پر زکاۃ کا ایک نہایت درجہ تنگ اور محدود دائرہ بنا لیا ہے، جس کی وجہ سے علماء اور رفاہ ملت کو اکثر و بیشتر ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ اور بعض اوقات عزت نفس کا سودا بھی کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ غیور اور خوددار قسم کے لوگ اکثر و بیشتر اس خدائی امداد سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ جب کہ پیشہ ور قسم کے گداگروں کی خوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن آتی ہے۔ یہ صورتِ حال نہایت درجہ افسوس ناک ہے اور جتنی جلد ہو سکے اس کا خاتمہ ہونا چاہیئے۔

واضح رہے کہ ان آٹھ مدّوں میں سے کوئی بھی مد منسوخ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرض قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔ "فریضۃً من اللہ" (یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے) ہاں البتہ کسی خصوصی ضرورت اور مصلحت کی بنا پر کوئی مد "معطل" ہو سکتی ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں "تالیفِ قلوب" کو معطل کر دیا تھا، مگر وہ منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو کوئی بھی منسوخ نہیں کر سکتا۔

فی سبیل اللہ سے مراد کیا ہے؟

اوپر زکاۃ کے جو آٹھ مصارف گنائے گئے ہیں۔ ان میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے، یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔ اب سا اللہ کے راستے سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض فقہاء نے اس سے جہاد مراد لیا ہے اور بعض کے نزدیک تمام امورِ خیر مراد ہیں۔ (دیکھئے تفسیر کبیر، ۱۱۳/۱۶، طبع جدید)

اور یہ اختلاف خود فقہ حنفی میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار یعنی فتاویٰ شامیہ کی رو سے فی سبیل اللہ کی حسبِ ذیل چار صورتیں (اختلافِ اقوال کے مطابق) ہو سکتی ہیں:

۱۔ بچھڑے ہوئے غازی (امام ابو یوسفؒ کے نزدیک)
۲۔ بچھڑے ہوئے حاجی (امام محمدؒ کے نزدیک)
۳۔ طالب علم (فتاویٰ ظہیریہ کے مطابق)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴ - تمام امورِ خیر (بدائع الصنائع مؤلف امام کاسانیؒ کے مطابق)۔

اور ان چاروں صورتوں میں زکاۃ لینے والے شخص کا محتاج یعنی ضرورت مند ہونا شرط ہے۔ (فتاویٰ شامیہ ج ۲ ص ۶۲)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والا کوئی بھی شخص زکاۃ کی رقم لے سکتا ہے، بشرطیکہ وہ ضرورت مند ہو۔ اس اعتبار سے زکاۃ کا مستحق بننے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے: (۱) وہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والا ہو۔ (۲) اور وہ ضرورت مند ہو۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفیؒ تحریر کرتے ہیں کہ "تمام صورتوں میں فقر واحتیاج ضروری ہے"

(البحر الرائق: ۲/۲۶۰)

یہ مسئلہ فقہ حنفی کے مطابق ہے۔ جس میں فی سبیل اللہ کے تحت زکاۃ لینے والے کے لیے محتاج ہونا ضروری ہے۔ جب کہ دیگر فقہاء کے نزدیک یہ شرط غیر ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے نص قرآنی پر زیادتی لازم آتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب "فقہ الزکاۃ"

چنانچہ مشہور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خانؒ اپنی کتاب "الروضۃ الندیہ" میں تحریر کرتے ہیں کہ "سبیل اللہ" سے مراد اللہ کی طرف پہنچانے والے راستے ہیں۔ اور جہاد اگرچہ سب سے بڑا راستہ ہے لیکن اس مصرف کے اسی کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ ہر کارِ خیر میں صرف ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف جائے۔ یہ آیت کے لغوی معنی ہیں اور جہاں نص شرعی ہو وہاں پر لغوی معنی سے واقفیت ضروری ہو جاتی ہے۔ پھر آپ مزید تحریر کرتے ہیں کہ فی سبیل اللہ میں ان علماء پر زکاۃ خرچ کرنا بھی ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے مصالح دینیہ میں لگے ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے کہ اللہ کے مال میں ان کا بھی حصہ ہوگا، خواہ وہ مالدار ہوں یا نادار بلکہ ان پر خرچ کرنا بہت ہی ضروری ہے، اس لیے کہ علما انبیاء کے وارث اور دین کے حامل ہیں، جن کے ذریعہ اسلام اور شریعتِ مصطفوی کی حفاظت ہوتی ہے۔ (بحوالہ فقہ الزکاۃ: ۲/۴۷-۶۴۸)

اس اعتبار سے "فی سبیل اللہ" ایک وسیع اصطلاح ہے، جس میں دینِ اسلام کی خدمت اور اس کا فارغ کرنے والے سبھی شریک ہو سکتے ہیں جن کا کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو بلکہ انھوں نے اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لیے ہر طرح سے وقف کر رکھا ہو اور ایسے ہی خدمت گاروں کو خود قرآن مجید نے استحقاق کے اعتبار سے پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی قرآن مجید کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"فقرا میں ان خوددار اور مستور الحال شرفا کو ترجیح دی ہے جو دین اور مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے نوکری یا تجارت نہیں کر سکتے اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور اپنی آبرو اور خودداری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا: ان مفلسوں کو دینا ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں اور زمین میں روزی حاصل کرنے کے لئے چل پھر نہیں سکتے ناواقف ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے ان کو بے احتیاج سمجھتے ہیں۔ تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہو کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ حاجت مند ہیں۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے "۔ (بقرہ ۲۷۳)
(سیرۃ النبی ، ۱۶۲/۵)

اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے لوگ کون ہیں ؟

اس اعتبار سے اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہونے کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس سے مراد اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے والے ہیں۔ اور مختلف تفسیروں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیروں میں متعدد روایات مذکورہ بالا آیت کریمہ (للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ) کی تفسیر میں اس معنی کی نقل کی ہیں کہ اس سے مراد اصحاب صفہ اور خاص کر فقرائے مہاجرین ہیں، جو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ آگئے تھے اور دین کی خدمت میں لگ گئے تھے۔ اور اس بنا پر وہ کوئی کسب معاش یا تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں نہ ان کا کوئی گھر تھا اور نہ رشتہ داری تھی۔ بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق ان میں سے ستر آدمیوں کے پاس تو ایک چادر بھی نہیں تھی۔ (خلاصہ از تفسیر درمنثور ۳۵۸/۱)

اگرچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس سے مراد مجاہدین، مگر امام قرطبیؒ نے تصریح کی ہے کہ یہاں پر مراد (اصلاً) فقرائے مہاجرین ہیں اور یہ آیت بعد میں شامل ہونے والے فقرائے صفہ کے لیے بھی عام ہے۔ اور اس میں فقرا مہاجرین کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت سوائے ان کے اور کوئی موجود نہیں تھا۔ اور وہ اصحاب صفہ تھے جو تعداد میں چار سو کے قریب تھے۔ (تفسیر قرطبی ، ۳۴۰/۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیز امام رازیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فقرائے مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو چار سو کے قریب تھے۔ اور وہ اصحاب صفہ تھے جن کا مدینے میں نہ گھر بار تھا اور نہ رشتہ داریاں تھیں وہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور روزہ رکھتے تھے۔ اور یہی لوگ ہر غزوہ میں جنگ کے لیے نکلتے تھے۔
(تفسیر کبیر: ۷/۷۹)

اس طرح یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ ان کی دوہری حیثیت تھی، وہ طالب علم بھی تھے اور غازی بھی۔ لیکن مجموعی اعتبار سے وہ طالب علم اور دینی خدمت گار ہی تھے جو اللہ کے راستے میں گھرے ہوئے تھے اور اس اعتبار سے وہ ہر قسم کی دینی خدمت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

اس لحاظ سے قیامت تک جو بھی لوگ دین کی خدمت میں گھرے ہوئے ہوں وہ اس آیت کریمہ کے تحت آسکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ "ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں۔" اور مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ اور اس کی شرح اس طرح کی ہے:

"اصل حق اُن حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں (اور اس خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کے لیے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو ان کے طرز وہیئت سے پہچان سکتے ہو، کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرہ اور بدن میں یک گونہ اضمحلال ضرور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آجاتا ہے اور یوں) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کہ ان کو حاجت مند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں اکثر جو لوگ مانگتے ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں) اور ان لوگوں کی خدمت کرنے کو تم جو مال خرچ کروگے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے"۔ (تفسیر بیان القرآن: ۱۶۳/۱)

مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "فقراء سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو دینی مشغولیت کی وجہ سے دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتے"۔ (تفسیر معارف القرآن ۱۰/ ۶۴۲)

اور علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی میں ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

"فقراء اور مساکین میں وہ تمام اہلِ حاجت داخل ہیں جو اپنی محنت و کوشش سے اپنی روزی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے بوڑھے۔ بیمار، اندھے لولے، لنگڑے، مفلوج، کوڑھی۔ یا وہ محنت کر سکتے ہیں لیکن موجودہ حالت میں دین وملت کی کسی ایسی ضروری خدمت میں مصروف ہیں کہ وہ اپنی روزی کمانے کی فرصت نہیں پاتے، جیسے مبلغین، مذہبی معلمین، بالغ طالب علم (وغیرہ) جو لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ، میں اسی طرح داخل ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اصحابِ صفہ داخل تھے۔ اور وہ کم نصیب بھی داخل ہیں جو اپنی پوری محنت اور کوشش کے باوجود اپنی روزی کا سامان پیدا کرنے سے اب تک قاصر رہے ہیں اور فاقہ کرتے ہیں"

(سیرۃ النبی، ج ۵ ص ۱۴۵، ۱۴۶)

دینی خدمت گار زکوٰۃ کے زیادہ مستحق

یعنی مصارفِ زکوٰۃ کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقراء و مساکین میں اگرچہ ہر قسم کے مفلس اور حاجت مند داخل ہو سکتے ہیں، مگر قرآن کی تخصیص (للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ) کے مطابق فقراء میں ترجیح "دینی خدمت گاروں" کو دینی چاہیئے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ زکاۃ کی مد ۱ اور ۲ کے مطابق مفلسوں اور محتاجوں میں سب سے پہلا نمبر "دینی خدمت گاروں" کا ہے اور امام رازی نے بھی یہی بات بیان کی ہے۔ (دیکھئے تفسیر کبیر، ۷/۷۹)

اور یہ بات عقلی اعتبار سے بھی بہت ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے دو محتاجوں میں جن میں سے ایک صرف اپنے لیے کام کرتا ہے اور دوسرا ملت کے لیے کام کرتا ہے، مالِ زکاۃ کا زیادہ مستحق (یعنی پہلے نمبر پر) وہی ہو سکتا ہے جو ملت کے لیے کام کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ ملت کو نفع پہنچا رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر ایک "عالم فقیہ" کو ایک "جاہل فقیر" پر ترجیح دینی چاہئے۔

(دیکھئے عین الہدایہ: ۱/۸۲۲)

مگر یہ عجیب بات ہے کہ لوگ عموماً کسی بھکاری کو تو زکاۃ کا مستحق سمجھ لیتے ہیں، مگر کسی "سفید پوش" مفلوک الحال شخص کو مستحق زکاۃ تصور کرنے کے لیے آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ اوپر جو آیت نقل کی گئی ہے اس کے ذریعہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں اصل مفلس کون ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟

واضح رہے کہ لفظ فقیر اور مسکین کا عربی میں وہ مفہوم نہیں ہے جو اردو زبان میں چل پڑا ہے۔ ہمارے عرف میں تو فقیر اسے کہتے ہیں جو کسی فٹ پاتھ پر بیٹھا بھیک مانگ رہا ہو یا گھر گھر گھوم پھر کر خیرات جمع کر رہا ہو۔ جب کہ عربی میں فقیر اُس کو کہتے ہیں جو تھوڑی سی غذا کا مالک ہو (من لا یملک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِلَّا قُلَّ الْقُوْتِ) ۔ اور اس اعتبار سے اس کا بھکاری ہونا ضرو
نہیں ہے، بلکہ اس طرح ایک شخص کوئی کام دھندہ والا ہوتے ہوئے بھ
"فقیر" کہلا سکتا ہے۔ اور مذکورہ بالا آیت کی رو سے فقیر صحیح معنی میں
ہے جو قلتِ غذا یا ناکافی ضروریات کے باوجود اپنی عزت و آبرو اور خود
کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اور در بدر بھیک مانگنا تو درکنار کسی سے لپٹ
کر یا اصرار کے ساتھ سوال بھی نہ کرے۔ اور اس قرآنی تعلیم کی شرح حد
رسول میں اس طرح آئی ہے:

"مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک یا دو لقمے در بدر پھرایا کرتے ہیں۔ صح
نے پوچھا کہ پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جو حاجت مند تو ہے مگ
اس کا (بظاہر) پتہ نہیں چلتا۔ اور وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔"

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ، ۲/۱۹)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے: "مسکین وہ ہے ج
سوال کرنے سے کتراتا ہو۔ پھر آپ نے فرمایا: اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت
پڑھ لو۔ ترجمہ: وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے"

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ)

علم دین کی رسوائی

ان احادیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ کوئی شخص حاجت مند ہونے کے باوجود لوگو
کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے۔ اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ملت کے
ذمہ دار لوگ "فقراء اور مساکین" کو تلاش کر کے ان کی ضروریات خود ان
تک پہنچائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اجتماعی نظام کی طالب ہے اور اجتماعیت
کے بغیر یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔ اور اس کے بغیر علماء اور دینی خدمت گار ل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خودداری بحال نہیں ہوسکتی مگر واقعہ یہ ہے کہ آج علماء اور دینی خدمتگار بھی خودداری کو تیاگ کرکے دست سوال دراز کرنے پر مجبور کردیے گئے ہیں۔ کیونکہ اب یہ زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے۔ اس کے بغیر دینی مدرسوں اور اداروں کا چلنا سخت دشوار ہوگیا ہے۔ اور بعض مقامات پر انہیں ذلیل بھی ہونا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقۂ کار میں نہ صرف علمائے دین کی رسوائی ہے بلکہ خود علم دین کی بھی اہانت ہے۔ اور بعض غلط مسائل کے رواج پا جانے کی وجہ سے مختلف حیلے بہانے بھی کرنے پڑتے ہیں اور بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے پر بھی مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

واضح رہے کہ زکاۃ کوئی بھیک کی چیز نہیں بلکہ خداوند کریم کی جانب سے عائد کردہ ایک فریضہ اور دینی خدمت گاروں کا ایک شرعی حق ہے۔ اور یہ حق انہیں بغیر دست سوال کئے ملنا چاہیئے ورنہ دینی خدمت کے میدان میں کوئی اہلِ علم وادیب نہیں آسکتا۔ کیونکہ باصلاحیت لوگ اس "خارزار" میں قدم رکھنے کے بجائے اپنے لئے کوئی دوسرا میدان منتخب کرلیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی خدمت کے میدان میں نتائج تقریباً صفر ہو کر رہ گئے ہیں۔ بلکہ اب تو نتائج کی کسی کو پرواہ بھی نہیں رہ گئی ہے۔

بعض خرابیاں اور ان کی اصلاح

جیسا کہ مصارف زکاۃ کی تفصیل سے واضح ہوگیا نظام زکاۃ کے ذریعہ اسلامی معاشرے کی مکمل فلاح و بہبود مقصود ہے۔ اور یہ ایک مکمل فلاحی پروگرام اور اسلامی معاشیات کا ایک اہم ترین ستون ہے۔ مگر آج جو رواج عام ہوگیا ہے اس کی رو سے زکاۃ یا تو کسی بھکاری کو دی جاتی ہے یا پھر ایسے مدرسے کو جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"کھانے والے" طلبہ موجود ہوں۔ اور عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر زکاۃ ادا ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں مدرسے والوں کی کوتاہیاں بھی شامل ہیں، جنھوں نے محض اپنے مفاد کی خاطر عوام کے ذہنوں میں یہ غلط تصور بٹھا دیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں بعض مکتب چلانے والوں کو جھوٹ بولنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں کھانے والے طلبہ موجود ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر انھیں چندہ یا زکاۃ نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ نہ کوئی شرط ہے اور نہ اس قسم کا جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت۔ زکاۃ کی رقم صرف "کھانے پینے" یا صرف طالب علموں کے لیے مخصوص نہیں ہے، جیسا کہ اوپر قرآنی آیت کی تفسیر میں اہل علم کی رائیں بیان کی جا چکی ہیں، بلکہ اس سے طالب علموں کے ساتھ ساتھ معلّمین اور ہر قسم کے دینی خدمت گار بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ مسئلہ کہاں سے نکالا گیا ہے جو عوام کے ذہنوں سے پوری طرح چپک گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی علما ہی کی کوتاہی ہے جو محض اپنے مفاد کے لیے عوام کو صحیح مسائل سے آگاہ نہیں کرتے۔ گویا کہ حالات سے سبھی نے طوعاً و کرہاً ایک طرح سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر نظام زکاۃ کو متحرک بنانا اور اس کی حرکتوں سے مسلم معاشرے کو مالا مال کرنا ہو تو اس قسم کے غلط تصورات کا خاتمہ ضروری ہے۔

اور پھر فقہ حنفی میں "تملیک" (زکاۃ کی رقم کا کسی کو مالک بنانے) کی شرط ہے اُسے پوری کرنے کے لیے عربی مدارس کے ذمہ داروں کو عجیب و غریب "حیلوں" سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ "کھانے والے طلبہ" کے نام پر صرف زکاۃ وصول کر لینا بھی کافی نہیں ہوتا۔ اور اس اعتبار سے یہ پوری کارروائی ایک گورکھ دھندہ بن کر رہ گئی ہے۔ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ تملیک کی شرط کو غیر ضروری قرار دے کر سیدھے طریقے سے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔ مگر سوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ یہ اصلاحی قدم کون اٹھائے گا؟

واضح رہے کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لیے فقہ حنفی میں تملیک کی جو شرط پائی جاتی ہے وہ کوئی "نص" نہیں بلکہ صرف ایک فہم وقیاس ہے۔ چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اس کو غیر ضروری بتایا ہے۔ موصوف تحریر کرتے ہیں کہ وہ مصارف جنھیں قرآن میں "فی" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ان میں تملیک کی شرط ضروری نہیں ہے۔ اسی بنا پر کچھ فقہاء نے غلاموں کی آزادی اور میت کے قرض کی ادائیگی زکاۃ کی رقم سے جائز سمجھی ہے۔ جس میں ظاہر ہے کہ تملیک نہیں پائی جاتی۔ پھر یہ کہ اولوالامر کو دینے سے تملیک کی شرط تو پوری ہو ہی جاتی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحبِ زکاۃ رقم کو فقیر ہی کے ہاتھ میں دے۔ اس لیے اگر امام یا اس کے نائب نے زکاۃ کی رقم لے لی تو اسے ان مصارف میں صرف کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

(فقہ الزکاۃ: ۲/۶۵۱)

اس طرح بعض مسائل پر نظر ثانی کرکے اصلاحی قدم اٹھانا نہایت ضروری ہے۔ اور اس اقدام سے بہت ساری خرابیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے علماء کو چند بے بنیاد اندیشوں کے تحت نئے فیصلوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ علماء کا کام تو اصلاح ملت اور اصلاح معاشرہ ہے۔ اور پھر "فقہ اسلامی" کوئی جامد شے یا "پتھر کی لکیر" نہیں ہے۔ بلکہ اس کو زمانے کی کروٹوں کے ساتھ متحرک اور فعال ہونا چاہیئے۔ لہٰذا علماء کو چاہیئے کہ موجودہ خرابیوں کو دور کرنے کی غرض سے فتاویٰ میں اصلاح کریں اور قرآن وحدیث کی صحیح روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے نئے فیصلے کریں، جس کے باعث امت مسلمہ چین اور سکون کا سانس لے سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے کہ راقم سطور نے دارالعلوم دیوبند میں مولانا مفتی محمد ظفیرالدین صاحب سے ملاقات کے موقع پر ان کی خدمت میں فرقانیہ اکیڈمی کا ایک کتابچہ "زکاۃ کا ایک مصرف فی سبیل اللہ" پیش کرتے ہوئے اس پر موصوف کی رائے طلب کی تھی، تو موصوف نے اس موقع پر اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہاں اب فتوے کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ ہماری ملت کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ اور امید ہے کہ ہمارے مفتی صاحبان اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے دوراندیشی کا ثبوت دیں گے۔

اسلامی خدمت گاروں کی دوہری حیثیت

الغرض اوپر جو کچھ عرض کیا گیا وہ اس مسئلے کی تحقیق میں تھا کہ زکاۃ کے مصرف ملک کے مطابق اصل "فقراء ومساکین" ہیں یعنی وہ مفلس ومحتاج جو زکاۃ کے سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ اس کے علاوہ خود "فی سبیل اللہ" کی مد میں بھی ایسے لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو دینی خدمت میں مشغول ہوں۔ چنانچہ پچھلے صفحات میں دُرِّ مختار اور ردالمختار یعنی شامیہ کے حوالے سے تفصیل گزر چکی ہے۔ اور اس اعتبار سے "دینی خدمت گار" گویا کہ دونوں طرح سے مستحق زکاۃ قرار پاتے ہیں اور دونوں اعتبارات سے ان کا استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ یعنی ایک تو "فقیر" (مفلس وضرورت مند) ہونے کی حیثیت سے اور دوسرے "اللہ کی راہ میں" کام کرنے والے کی حیثیت سے گویا کہ یہ تاکید مزید ہے۔ مگر اس کے باوجود ایسے لوگ آج اکثر وبیشتر محروم دکھائی دیتے ہیں تو اس کی وجہ ہماری ناواقفیت ہے۔ اور اس میں اہل علم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تساہل کو بھی بہت کافی دخل ہے۔

علماء کے فائدے کی صورت

یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے

کیا ایک طالب علم جو کسی اسلامی مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور ایک عالم جو کسی اسلامی ادارے میں دینی علوم کی تحقیق و تفتیش اور ان کی نشرواشاعت کر رہا ہے یا تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہے تو دونوں ایک ہی عمل میں مصروف نہیں۔ پہلا شخص اگر دینی علوم کی تحصیل کر رہا ہے تو دوسرا دینی علوم کو پھیلا رہا ہے۔ لہٰذا اگر پہلا شخص محتاج ہونے کی بنا پر زکاۃ کی رقم لے سکتا ہے تو دوسرا شخص بھی اسی علت کی بنا پر بدرجۂ اولیٰ اس کا مستحق بن سکتا ہے۔ لہٰذا عقلی اعتبار سے ان دونوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس لحاظ سے عربی مدارس کے طلبہ اور اسلامی اداروں کے علماء و فضلاء اور کارکنان سب ایک ہی صف میں شامل ہیں۔ اور ان سب کو زکاۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ان ہی سے کسی ایک طبقے کو نوازتے ہوئے کسی دوسرے طبقے کو محروم رکھنا بڑی کوتاہی ہے، جس کی وجہ سے دینی خدمت گاروں کی دل شکنی ہو گی۔ اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہے کہ دین اسلام کا نقصان ہو سکتا ہے۔

ہمارے علماء کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں خود ان کا فائدہ ہے کیونکہ اس طرح طلبہ کے ساتھ وہ خود بھی مستحقِ زکاۃ بن سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ بعض پیچیدہ مسائل اور گورکھ دھندوں سے بھی نجات پا سکتے ہیں، جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ بشرطیکہ ان گزارشات کی روشنی میں اپنے فتاویٰ میں تھوڑی سی تبدیلی کر لیں۔ اور ان گزارشات کا اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصد بھی یہی ہے۔

جہاد علمی و قلمی بھی ہو سکتا ہے

اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ "فی سبیل اللہ" سے مراد لازمی طور پر جہاد نہیں ہے، جیسا کہ اوپر مذکور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۷۳ کی تفسیر سے بخوبی ظاہر ہو گیا۔ لیکن اگر بالفرض اس سے جہاد ہی مراد لیا جائے تو یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس سے مراد "قتال" یعنی جنگ و جدل ہی ہو، بلکہ جہاد کی اور بھی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں اور ان میں سے ایک شکل علمی اور قلمی جہاد بھی ہے جیسا کہ خود قرآن کا ارشاد ہے:

وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۔ اور تم قرآن کے ذریعہ کافروں سے بڑا جہاد کرو۔ (فرقان: ۵۲)

اور جہاد قولی یعنی وعظ و نصیحت کے طور پر بھی ہو سکتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔ اے نبی تم کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ (توبہ: ۷۳)

پہلی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ سب سے بڑا جہاد تو قرآن ہی کے ذریعہ کرنا ہے۔ یعنی قرآنی حقائق و معارف کے ذریعہ باطل قوتوں کا مقابلہ زور و شور سے کرنا ہے۔ یہی اصل جہاد ہے۔ اور دوسری آیت میں لسانی جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب تحریر کرتے ہیں، "منافقین سے جہاد کا مطلب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے، کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی دعوت دیں تاکہ وہ اپنے دعوائے اسلام میں مخلص ہو جائیں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(معارف القرآن: ۴/۴۲۲)

لہٰذا جہاد کا مطلب لازمی طور پر تلوار اٹھانا نہیں ہے بلکہ سب سے پہلا نمبر لسانی اور علمی و قلمی جہاد کا ہے۔ اور جہاد بالسیف کا نمبر سب سے آخر میں آتا ہے، جب کہ اولین مراحل ناکام ہو جائیں۔ دعوت اسلامی میں یہ ترتیب ہمیشہ ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور بعض حدیثوں کے مطابق ظالم سلطان کے سامنے حق بات کہنا افضل ترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی کتاب الفتن: ۲/۱۳۳۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حق بات کی ترویج و اشاعت مقدم ہے۔ کیونکہ اتمام حجت کے لیے سب سے پہلے حق بات پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ جصّاص رازی حنفیؒ علمی جہاد کو اصل قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ آیا نفس و مال کا جہاد افضل ہے یا علم کا جہاد؟ فرماتے ہیں کہ علم کا جہاد اصل ہے اور نفس کا جہاد فرع ہے۔ لہٰذا اصل فرع سے افضل ہے۔ (احکام القرآن: ج ۳ ص ۱۱۹)

ظاہر ہے کہ جانی و مالی جہاد کے لیے علم ہی بنیاد ہے اور علمی و فکری اعتبار سے وہی اس کے لئے راہیں ہموار کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی معرکہ سر کرنے یا ملک و ملت کے بچاؤ اور دفاع کے لیے سب سے پہلے علمی اعتبار سے جد و جہد کر کے میدان ہموار کرنا پڑتا ہے۔ گویا کہ ملت کو "حرکت" میں لانا علم کا کام ہے۔ اور اس اعتبار سے علم ہی اصل ہے اور علمی جہاد ہی کا نمبر پہلا ہونا چاہیئے۔

اس اعتبار سے موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد

"فی سبیل اللہ" سے اگر جہاد ہی مراد لیا جائے تو اس میں علمی و قلمی جہاد بآسانی شامل ہو سکتا ہے۔ اور اس میں تاویل کرنے یا فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اس اعتبار سے موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد الحاد ولادینیت کے خلاف معرکہ آرائی ہے۔ کیونکہ آج دین ومذہب کو سب سے بڑا خطرہ جولاحق ہے وہ الحاد ولادینیت ہی کی طرف سے ہے۔ لہٰذا آج جو علمی واشاعتی ادارے الحاد ولادینیت اور باطل تحریکوں کے خلاف صف آرا ہیں وہ ارشاد الٰہی (فرقان: ۵۲) کے مطابق وقت کے سب سے بڑے جہاد میں مشغول ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زکاۃ کی قیمتی رقم سے ایسے اسلامی اداروں اور تنظیموں کے بازو مضبوط کیے جائیں، تاکہ وہ بے فکری اور بے جگری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرسکیں۔

عصر حاضر کے متعدد علماء نے بھی اس کی تائید کی ہے اور "فی سبیل اللہ" کے سلسلے میں تقریباً یہی رائے پیش کی ہے۔ چنانچہ زکاۃ کے فلسفے اور اس کے مصارف پر موجودہ دور میں سب سے زیادہ تفصیلی بحث ڈاکٹر علامہ یوسف قرضاوی نے کی ہے، جنھوں نے "فقہ الزکاۃ" کے نام سے ایک تحقیقی اور گرانقدر کتاب دو ضخیم جلدوں میں تحریر کی ہے۔ اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زکاۃ کے موضوع پر دنیا کی کسی بھی زبان میں اس سے زیادہ جامع اور مبسوط کتاب موجود نہیں ہے۔ اس قابل قدر کتاب میں مصنف نے فقہائے کرام کی تمام آراء اور ان کے اختلافات کو جمع کرکے ان پر تفصیلی بحث کی ہے اور پوری اسلامی تاریخ کو کھنگال کر متعلقہ مسائل کے ہر ہر پہلو پر عالمانہ اور مجتہدانہ حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور بہت سے نئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ موصوف کا مطالعہ بہت وسیع وعمیق ہے اور ان کی رائیں جچی تلی معلوم ہوتی ہیں۔

غرض انھوں نے "فی سبیل اللہ" کے مصرف پر تفصیلی بحث کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھا ہے کہ اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے جدوجہد کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ پھر وہ "عصر حاضر میں اسلامی جہاد کی مختلف شکلیں" کے عنوان کے تحت مزید تحریر کرتے ہیں کہ اسلامی جہاد صرف جنگ کا نام نہیں بلکہ اس کی اور بھی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دعوتی اور اشاعتی مراکز کا قیام مسلم نوجوانوں کے لیے تربیت گاہیں، داعیانِ اسلام کی تیاری اور خالص اسلامی لٹریچر کی ترویج واشاعت وغیرہ، جن سے گمراہ کن تحریکوں کا سدباب ہو سکے۔ (خلاصہ از فقہ الزکاۃ: ۲/۶۶۶-۶۶۹)

ایک اور مصری عالم سید سابق نے اپنی گرانقدر کتاب "فقہ السنہ" میں لکھا ہے کہ: "ہمارے زمانے میں فی سبیل اللہ کی مد میں سب سے اہم داعیان اسلام کی تیاری اور انہیں غیر مسلم ممالک کو مبعوث کرنے پر صرف کرنا ہے۔ جس طرح کہ غیر مسلم (خصوصاً عیسائی مشنریاں) اپنے دین کی نشر واشاعت پر صرف کرتے ہیں۔ اسی طرح اس میں اسلامی مدارس کے معلمین کا نفقہ بھی شامل ہے، جب تک کہ وہ اپنے شرعی وظائف ادا کرتے رہیں اور ان کا کوئی دوسرا معاشی ذریعہ نہ ہو"

(خلاصہ از فقہ السنۃ: ۱/۳۹۴)

اور پچھلے صفحات میں سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۳ کی تفسیر میں امام قرطبی، امام رازی، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا سید سلیمان ندوی کی رائیں نقل کی جا چکی ہیں، جس میں "فی سبیل اللہ" کے الفاظ صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ اگرچہ یہ مد "فقراء" سے متعلق ہے، مگر اس کا تعلق جہاد سے کم اور علم سے زیادہ ہے۔ لیکن یہ تعلق خواہ جہاد سے ہو یا علم سے، مذکورۂ بالا مباحث کی رو سے بہرحال اس میں علماء اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینی خدمت گار خصوصیت کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ اس طرح بہ اعتبار سے دینی خدمت گاروں کا حق ثابت اور مقدم نظر آتا ہے۔ لیکن مجموعی اعتبار سے میرے نزدیک سورۂ بقرہ کی آیت سے افراد کا حق اور سورۂ توبہ کی آیت سے زیادہ تر اداروں اور جماعتوں کا حق ثابت ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث

خلاصۂ بحث یہ کہ آج الحاد و لادینیت کا دور دورہ ہے۔ اور موجودہ دور میں الحادی تحریکوں اور نظاموں نے نوعِ انسانی کو فتنوں میں مبتلا کر کے اسے گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ لہٰذا موجودہ الحادی علوم اور لادینی تحریکوں کا مقابلہ اور ان کی بیخ کنی کے لیے علمی اور دعوتی مرکزوں کا قیام اور مسلم نوجوان کی خصوصی تربیت نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح ایسے علمی و تحقیقی اداروں کی بھی سخت ضرورت ہے جو فکری و نظریاتی اعتبار سے اسلام کو ایک بہتر نظام اور برتر مذہب ثابت کر کے اسلامی نشأۃ ثانیہ کی راہیں ہموار کر سکیں۔ موجودہ الحاد و لادینیت کے دور میں ایک فکری و ثقافتی معرکہ سر کرنا اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے کسی بھی طرح ایک فوجی و عسکری جہاد سے کم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بعض اعتبارات سے برتر ہے۔ مگر آج کتنے ہی علمی و اشاعتی ادارے ایسے ہیں جو مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے کس مپرسی کے عالم سے گزر رہے ہیں۔ اگر زکاۃ کی رقم سے ان کی اعانت کی جائے تو کایا پلٹ سکتی ہے اور زیادہ بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ فکر و نظر کا یہ معرکہ موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

غرض اس اعتبار سے موجودہ دور میں زکاۃ کی رقم حسبِ ذیل امور میں خصوصیت کے ساتھ صرف کی جا سکتی ہے:

© rasailojaraid.com